اُردو کی جدید شاعری اور اقبال

فلسفۂ اسلام اور اقبال کا کلام

(۲)

از جناب مولوی رفعت احمد خانصاحب ایم۔اے لکچرر گورنمنٹ کالج الموڑہ

انسان کا قدرتی احساس اور تمنائے فطرت اساس

"حصول کامیابئ وراحت" انسان کے قلب کی فطرتی تڑپ ہے۔ اور قدرتی تمنا اور طلب۔ لیکن اس کامیابی یا راحت کی تحدید و تعریف کے پردہ میں اختلافات کی ایک دنیا آباد ہے۔ ایک ظاہر بیں شخص کی نظر میں کم نگاہی اور کوتاہ بینی کے باعث یہ نشاط انگیز حقیقت اس ظاہری حیات کے تار و پود میں اُلجھ کر کائنات بے ثبات کے حدود میں مرکوز و منحصر ہو کر رہ گئی ہے اور "حیات ظاہری" کا اس کی حقیقت شناس نگاہوں سے غائب ہونا گویا تمام راحتوں کے لئے فنا کا پیغام ہے لیکن بصیرت افروز نگاہوں کے لئے یہ حقیقت برافگندہ نقاب ہو چکی ہے کہ یہ زندگی کسی دوسری حیات سرمدی کے لئے محض ذریعۂ کامیابی ہے۔ ورنہ حقیقی راحت اس دنیا کی غم انگیز مسرتوں اور شکست آمیز نصرتوں سے بہت دور ہیں۔ اب قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس احساس زریں کی کارفرمائی ہے جس نے ان حقیقت انباز نگاہوں کا زاویہ نظر اس طرح بدل دیا ہے لیکن جواب بھی بالکل فطری ہے دراصل اس حیرت کدۂ عالم میں مظاہر و آثار کے گوناگوں تغیرات اور بوقلموں واقعات طرح طرح کی پابندیوں کے احساسات اور فطری رجحانات و وجدانات سے انسان فطری طور پر متاثر ہوتا ہے یہی تاثرات قدرتاً کسی ایسے ناظم حقیقی کی طرف انسان کی رہنمائی کرتے ہیں جس کی ہستی قادرِ مطلق ہے۔

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم دیتے ہیں کسی ہستیٔ مطلق کی خبر ہم

اسی احساس و ایقان سے انسان کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے اور کامیابیٔ حیات کا مفہوم نہایت وسیع ہو جاتا ہے۔

فطری قانون اور انسان کے علائق گوناگوں اگر انسانی علائق و تعلقات کی فطری تقسیم کی جائے تو ایک فرد کے سہ گونہ تعلقات ہونگے۔

(۱) ایک انسان کا وہ تعلق جو بہ حیثیت مخلوق کے اپنے خالق سے ہے جس کو اصطلاح ادیان میں عبادات کہتے ہیں۔

(۲) ایک انسان کا وہ تعلق جو بنی نوع انسان سے ہے جس کو بزبان دیگر معاشرت و معاملات سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) ایک انسان کا وہ تعلق جو خود اپنے نفس سے ہے جس کی تہذیب کو تہذیب نفس اخلاق یا تصوف کہہ سکتے ہیں اور جو نفسیات سے متعلق ہے۔

اس فطری تقسیم کے بعد حیات انسانی کی تکمیل انہیں سہ گونہ تعلقات کی کامیابی پر منحصر ہے اس لئے یہ ادعا بالکل حق بجانب ہے کہ جو قانونِ حیات یا نظام زندگی ان سب تعلقات میں انسان کی رہنمائی کرے وہی قانون کامیاب قانونِ فطرت کہلانے کا مستحق ہے ورنہ یوں تو ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک اصلاحات و تنظیمات ادیان اور انجمنوں، سوسائٹیوں، لیگوں اور ریفارمس (Reforms) کے پردہ میں بےشمار قوانین دنیا کے سامنے آچکے ہیں۔ اقبال کے نزدیک یہ جامع قانون فطرت، قانون اسلام ہے۔ دراصل اسلام کی جامعیت و ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لئے اسلام کے زرّیں اصول و قوانین کے تابناک لمعات شمع ہدایت اور رہبر طریقت نہ ہوں۔ اس ہمہ گیر اور جامع فلسفۂ حیات کی

ترجمانی اقبال کا خاص موضوع ہے اسی آئین حیات کی تفسیر میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمت او لایزالی و قدیم
گر تو میخواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

فلسفہ اسلام میں توحید و رسالت کے ایقان کے بعد بقائے حیات و حیات بعد الممات کے نام مراحل کی تصدیق وہ عقیدہ ہے جو راحتِ جاودانی کا سامان اور عمل کی جان ہے۔

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیر ملت ہے — یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے
یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم — جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اقبال نہ نیٹشے کی طرح خدا کا منکر ہے اور نہ برگسان (Bargaon) کی طرح مادہ پرست۔ اقبال کی یہی وہ عمق نگاہ اور نظر حقیقت آگاہ ہے جس کے باعث ان کو مغربی فلسفہ دانوں پر بدرجہا فوقیت و امتیاز حاصل ہے۔ مغربی کوتاہ بیں اور سطحی نظر رکھنے والے فلسفیوں سے اقبال اور اس کے اسلامی معتقدات اور فلسفیانہ تعلقات کا کیا موازنہ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

بقائے حیات کے اس عقیدہ کے سامنے زندگی میں یاس و قنوط اور موت سے خوف وہراس کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اقبال نے اس حدیث شریف کی بارہا ترجمانی کی ہے کہ موت ایک ایسا پل ہے جو ایک حبیب کو دوسرے حبیب سے ملاتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اس مضمون کی ترجمانی میں اقبال کی نادر تشبیہات۔ فلسفیانہ انداز۔ دلکش طرز ادا اور جدت طرازِ طبیعت نے ہر شعر کو اثر و تاثیر سے ہم آغوش کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں جن سے بقائے روح۔ حقیقتِ موت و حیات اور حیات بعد الممات کے اعلیٰ مضامین کا عجب

سحر آفریں اثر دل پر پڑتا ہے۔

زندگانی سے پُر انا خاکداں معمور ہے
موت میں بھی زندگانی کی تڑپ مستور ہے

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز بخیدنِ پر کچھ نہیں

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

آہ غافل موت کا رازِ نہاں کچھ اور ہے
نقش کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے

موت کی لیکن دلِ ناداں کو کچھ پروا نہیں
شب کی خاموشی میں جز ہنگامۂ فردا نہیں

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہی فنا ہوتا نہیں

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

آخری دو اشعار کے مضمون کو انگریزی زبان کے ایک شاعر ایچ۔ ڈبلو لانگ فیلو (H.W. Long Fellow) نے بھی اپنی نظم "نغمۂ حیات" (The Psalm of life) میں نظم کیا ہے۔ لیکن لانگ فیلو کا فلسفۂ عمل اقبال کے مکمل فلسفۂ حیات کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اس وقت تو لانگ فیلو کے صرف دو اشعار پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ مختصر مضمون موازنہ کی تفصیلات کی تاب نہیں لا سکتا

Life is earnest, life is real + And the grave is not its goal.
Dust thou art to dust returneot was not spoken of the soul

مسئلہ تصوف اور فلسفۂ عمل و اختیار

حیات کے اس جانفزا احساس اور اشتیاق انگیز جذبہ کے بعد اس دار المحن میں عمل ہی ہستیٔ انسان کا صحیح مقصد رہ جاتا ہے۔ لیکن چونکہ انسان کی

دوسری پابندیوں کی طرح اس کا دائرۂ عمل بھی اس کی محدود قوت و اختیار کا پابند ہے۔ اسی لئے اقبال اسلام کے جس فطری امر کے ترجمان ہیں وہ یہ ہے کہ انسان صرف اپنے اختیاری افعال کا مکلف ہے غیر اختیاری افعال کی نہ اس سے پرسش نہ ان پر مواخذہ۔ خالق بے نیاز کے اس آئین فطرت انباز کے مطابق اس دہر عبرت آثار میں انسان کے دائرۂ عمل کا یہی مرکز قرار پاتا ہے کہ وہ اختیاری اعمال میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیاری کے درپے نہ ہو ع

کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن

اس راہِ حیات میں عمل درکار ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

کار کن کار بگذر از گفتار　　اندریں راہ کار باید کار

عمل پیہم میں اس کی زیست کا راز مضمر ہے۔ کوشش ناتمام ہی حقیقتِ حیات کا آئینہ دار ہے۔ سعیٔ مسلسل کوشش متقل اور سخت کوشی اس کی کامیابی کے مراحل و وسائل ہیں لیکن کامیابی حیات کے اس فطری فلسفہ کے فہم و ادراک کے بعد انسان اپنی سعی و کوشش کے اتمام و انجام اور غیر اختیاری ثمرات و نتائج کے انتظار و افکار میں ایک لحہ بھی ضائع کرنا پسند کریگا۔ در اصل اسی کشمکش زیست اور کشاکشِ غم ہستی میں انسان کا وہ ذوق و عرفان اور عیش جاوداں پنہاں ہے۔ جو صوفیائے سالکین کی عمر بھر کی جدوجہد کا صحیح سرمایہ دار ہے۔ شیخ سعدی نے خوب کہا ہے

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر　　ما ہم چناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

اسی آئینۂ حقیقت نے اقبال کے قلب مہر آئیں اور نظر حقیقت بیں کو سراپا استفسار اور شہید جستجو بنا دیا۔ چنانچہ بیگانۂ حقیقت اور ناآشنائے معرفت، جاہل متصوفہ کی طرح انھوں نے اپنی سعیٔ عمل کے ثمرات کیلئے جمعیت خاطر کو برہم نہیں ہونے دیا۔ ایک جگہ اسی تشنہ کامی کی غرض و غایت کی طرف شیخ سعدی اشارہ فرماتے ہیں۔

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

دراصل ؎

نہ ہرگز قطع گردد جادۂ عشق از دویدنہا کہ می بالد خود ایں راہ چو تاک از بریدنہا

کیونکہ جب صفاتِ خداوندی غیر محدود ہیں تو ان کی معرفت کیسے محدود ہو سکتی ہے۔ پس ہمارا کام تو طلب و تلاش ہے۔ تلاش و جستجو ہی جد و جہد کا پیش خیمہ ہے اور سعی و عمل کا مقدمہ۔ اس طریق میں ناکامیاں ہی کامیابی کے لئے رہنما ہیں۔

رہنمائے طریقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن کے فیوض و برکات سے عرب و ہند اور دوسرے ممالک متفیض ہوئے اس مسئلہ کے ضمن میں ایک خاص نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ ثمرات عمل کی جانب التفات اور ان کا انتظار اک حجاب ہے گو یہ حجاب نورانی سہی لیکن حجاب ظلماتی سے اشد ہے کیونکہ بعض سالکین اس طرف متوجہ ہو کر غلطی سے اس کو حجاب ہی نہیں خیال کرتے اس لئے مقصود سے دور جا پڑتے ہیں۔ اور جمعیت قلب کھو بیٹھتے ہیں جو اصل چیز ہے۔ جو التفات بھی محبوب حقیقی کی جانب توجہ تام کرنے میں مخل اور برہم زن جمعیت دل ہو عین مقصود نہ ہونا چاہئے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

چنانچہ اقبال عجیب دلکش و دلنواز انداز میں اس اسلامی فلسفہ کی ترجمانی فرماتے ہیں جو حقیقت سے ہمکنار اور فطرت کا آئینہ دار ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تلاش وجستجو اور طلب وآرزو

(گُلِ رنگیں سے خطاب)

مطمئن تو ہے پریشاں مثلِ بو رہتا ہوں میں زخمیٔ شمشیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں

یہ تلاشِ متصل شمع جہاں افروز ہے توسنِ ادراک انساں کو خرام آموز ہے

ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے
چمن کے ذرّے ذرّے کو شہیدِ جستجو کر دے

آنکھ محو دید تھی لب مائل گفتار تھا
دل نہ تھا میرا سراپا ذوقِ استفسار تھا

دوا ہر دُکھ کی ہے مجروح تیغِ آرزو رہنا
علاج زخم ہے آزاد احسانِ رفو رہنا

مضطرب رکھتا ہے میرا دلِ بیتاب مجھے
عین ہستی ہے تڑپ صورتِ سیماب مجھے

آرزو نورِ حقیقت کی ہمارے دل میں ہو
لیلیٰ ذوقِ طلب کا گھر اسی منزل میں ہے

جنت تری پنہاں ہو ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

پیامِ مشرق میں لکھتے ہیں "ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم"، گویا حرکت و عمل زندگی کا صحیح نشان اور سعی و کوشش اس کی جان ہے اور یہی عین اسلامی فلسفہ ہے۔

(باقی آیندہ)

سرکارِ مدینہ کی زبان

صرف چھ مہینے میں سیکھ لیجئے

عصر حاضر کی معرکۃ الآرا تصنیف **کلامِ عربی** ایسے انقلاب انگیز تعلیمی اصول پر لکھی گئی ہے کہ آپ باسانی بغیر اُستاد کی مدد کے، بغیر رٹے، ایک گھنٹہ روزانہ اس کا مطالعہ کر کے، صرف چھ مہینے میں اتنی عربی زبان سیکھ سکتے ہیں کہ قرآن و حدیث کو سمجھ سکیں عربی اخبارات و رسائل کو پڑھ سکیں اور حسب ضرورت عربی زبان میں گفتگو اور خط و کتابت کر سکیں اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قواعد، زبان، ترجمہ و انشاء اور جدید و قدیم لغت سب کچھ ایک ہی کتاب میں موجود ہے

کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ تقطیع متوسط صفحات (ہر دو حصہ) ۲۱۶ قیمت ایکروپیہ چار آنے

ملنے کا پتہ :- "مکتبۂ برہان"، قرول باغ نئی دہلی